پیاس، ہائے پیاس

تحریر:
سید مہدی شجاعی

ترجمہ:
سید محمد موسیٰ رضوی

مشخصات

کتاب کا نام: پیاس، ہائے پیاس

تحریر: سید مہدی شجاعی

ترجمہ: سید محمد موسیٰ رضوی

نظر ثانی: سید حسین اختر رضوی

آرٹ: سید رضا غازی مراد

کمپوزنگ: الغدیر فاؤنڈیشن ہندوستان

ناشر: ادارہ تحریک ترجمہ

تعداد: ایک ہزار

تاریخ اشاعت:

شابک:

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

خیابان سمیہ بین شہید مفتح و شہید موسوی پلاک173

تہران، ایران فون ۸۸۸۳۱۴۱۰

www.trans-move.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں سکینہ ہوں، آج روز عاشورہ ہے اور یہ کربلا ہے مجھے وقت کا اندازہ نہیں، شاید دوپہر سے ایک گھنٹہ گزرا ہو، میدان میں چھائی گردو غبار پر نظر ڈالنا، دشمن کے نعرے سننا، وہ بھی ایسے وقت جب کہ باپ میدان میں گیا ہو مشکل ہے اور بہت ہی مشکل۔

ڈھول، جھانج اور دشمن کی وحشیانہ چیخ و پکار، ہمارے دلوں کو دہلا رہی تھی، دھول، مٹی اور خون نے ہمیں گھیر رکھا ہے، سروں پر سورج کی تمازت اور پیروں تلے گرم زمین ہے۔ پیاس، پیاس، ہمارے سینے پیاس سے جل رہے ہیں، ہونٹ پانی سے محروم، دراڑیں پڑی مٹی کی طرح پھٹ گئے ہیں۔ زبانیں خشکی سے منہ میں گردش کرنے کے قابل نہیں رہی ہیں۔ ہمارے چہرے پیاس کی شدّت سے زرد ہوگئے ہیں۔ دشمن نے کل سے ہمیں محاصرے میں رکھا ہے۔ میرے بابا امام حسین علیہ السلام کی فوج میں ۷۲ سپاہی ہیں اور یزید کا لشکر لاکھوں میں ہے۔

ص۴

صبح سے ہی میرے بابا کے ساتھی ایک ایک کرکے میدان میں گئے اور بڑی دلیری سے دشمن کا مقابلہ کیا ان سے لڑے ہر ایک نے دشمن کی فوج میں ایک تہلکہ مچادیا اور سیکڑوں کو قتل کرکے شہادت پر فائز ہوئے۔ اب میرے بابا دشمنوں کے لشکر میں اکیلے رہ گئے ہیں۔

کاش خیموں اور میدان جنگ کا فاصلہ اتنا نہ ہوتا۔ کاش میں اپنے باپ کی جنگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتی، کاش میرے بابا مجھے اپنے ساتھ لے جانے پر راضی ہوتے۔

ہائے یہ کیسی بات ہے باپ اتنے بڑے لشکر سے جنگ لڑ رہا ہو اور اس کی بیٹی اس سے دور بے چین و مضطرب ہو اور اسے اپنے باپ کی کوئی خبر نہ ہو۔ یہاں سے تو صرف گردو و غبار اور دشمن کا شور سنائی دیتا ہے۔ میں کل اپنے بابا کے چہرے پر تھکاوٹ کی لکیروں کو صاف طور پر دیکھ رہی تھی۔ کوفہ اور دوسرے شہروں سے ہزاروں لوگوں نے انھیں خط لکھا تھا کہ اگر وہ یزید کی ظالم حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے تو وہ ان کا ساتھ دیں گے مگر کل ۷۲ آدمیوں نے ان کا ساتھ دیا۔ میرے بابا ان ۷۲ آدمیوں کو بہت چاہتے تھے آپ نے ان سے فرمایا:

ص٦

''اے میرے ساتھیوں! تم زمانے کے بہترین افراد ہو، میرا تم سے بہتر اور باوفا دوست کوئی نہیں، کسی کو ایسے اچھے ساتھی نہیں ملے جو مجھے ملے ہیں''۔

ہم سب نے ان اچھے ساتھیوں کی شہادت پر آنسو بہائے مگر میرے بابا کی پیشانی پر بل نہیں آیا۔

جب میرا بڑا بھائی علی اکبرؑ گھوڑے سے زمین پر آیا تو ہمارے دل ہمارے ہاتھوں سے چھوٹ گئے مگر میرے بابا نے اپنا دل مضبوط رکھا۔ جب دشمن کے تیر نے میرے چھوٹے بھائی علی اصغر کی نازک گردن کو اپنے باپ کی گود میں چھیدا تو ہمارے رونے کی صدائیں آسمان تک پہنچیں مگر میرے بابا اپنی جگہ مضبوطی کے ساتھ قائم رہے۔

جب علمدار لشکر، خیموں کا محافظ، سقائے کربلا، میرا چچا عباسؑ گھوڑے سے زمین پر گرا اور اس کا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تو اس وقت بھی میرے بابا نے صبر سے کام لیا مگر ان کی کمر جھک گئی۔

انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی کمر کو تھاما اور کہا: ''ہائے میری کمر ٹوٹ گئی''۔

جب میرے بابا کے ساتھی ایک ایک کرکے ان کی آنکھوں کے سامنے شہید ہو گئے تو اب وہ خود میدان میں جانے کے لئے تیار ہوئے لیکن جانے سے پہلے انہوں نے عورتوں اور بچوں کو جمع کیا اور درد بھری آواز میں فرمایا:

''اب تم لوگ مصیبتیں جھیلنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور جان لو کہ خدا تمھارا محافظ اور نگہبان ہے وہ یقیناً تمھیں دشمنوں سے نجات دلائے گا اور تمھیں اس کا صلہ دے گا اور تمھارے دشمنوں کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ وہ ان مصیبتوں کے بدلے

میں تمھیں نعمتوں اور کرامتوں سے نوازے گا۔

پس تم لوگ اپنی زبان پر حرف شکایت نہ لانا اور ایسی بات نہ کہنا جس سے تمھاری قدر و منزلت میں کمی واقع ہو۔

ہم نے محسوس کر لیا تھا کہ بابا کی شہادت یقینی ہے۔

میں نے عرض کیا: ''بابا جان! کیا آپ نے مرنے کی ٹھان لی ہے؟''۔

اور اس کے ساتھ ہی میری آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہونے لگی۔

ص۱۰

میں نہیں چاہتی تھی کہ اپنی بے صبری کا اظہار کروں لیکن یہ میرے بس کی بات نہیں تھی سب ہی بے چین تھے۔ یہاں تک کہ میری پھوپھی زینبؑ ایک طرف ہمیں تسلی دے رہی تھیں اور دوسری طرح اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھ رہی تھیں ۔

میرے بابا نے مجھے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا: میری آنکھوں کے اجالے! وہ شخص کیونکر جی سکتا ہے جس کا کوئی ساتھی باقی نہ رہا ہو؟!

میں نے بلند آواز سے روتے ہوئے کہا: بابا آپ ہم کو کس پر چھوڑ کر جا رہے ہیں؟

میرے بابا نے اپنے ہاتھوں اور ہونٹوں سے میری آنسو پونچھے، میری آنسو بھری پلکوں کو چوما اور فرمایا: اللہ پر، تمھیں اللہ کی رحمت اور اس کی مدد کے حوالے کرتا ہوں کہ جو دنیا اور آخرت میں تمھارے ساتھ ہے۔

پس اے میری بیٹی خدا کی مرضی پر صبر کرو اور شکایت کے الفاظ منھ پر نہ لاؤ کہ یہ دنیا ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں لیکن آخرت وہ منزل ہے جسے باقی رہنا ہے۔

میں نے شکایت نہیں کی، ناشکری نہیں کی، مگر ایک دفعہ پھر پھوٹ پھوٹ کر روئی۔

آخر میں کس طرح نہ روتی، میرا بابا دنیا کا بہترین باپ، لاکھوں سے اکیلا لڑنے جا رہا تھا۔

میرے بابا نے سب سے خدا حافظی کی، بچوں کے سروں پر محبت بھرا ہاتھ پھیرا اور میری پھوپھی زنیب سے کچھ باتیں کیں جسے میں نہیں سمجھ سکی۔ اس کے بعد آپ نے میری پھوپھی سے کہا کہ وہ ایک پُرانا لباس انھیں لا دیں۔

سب کو بڑا تعجب ہوا، ہم نے پوچھا۔

پرانا لباس کیوں؟

میرے بابا نے کہا:

دشمن انتہائی پست و ذلیل ہیں وہ میرے لباس کو بھی مال غنیمت میں میرے بدن سے نکال لے جائے گا اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنے کپڑوں کے نیچے اس لباس کو پہن لوں تاکہ شہادت کے بعد میرا بدن کپڑے سے خالی نہ رہ جائے۔

ص ۱۲

بابا نے اس شان سے اپنے آپ کو تیار کیا جیسے وہ کسی دعوت میں جا رہے ہوں۔ کپڑے پہنے، زرہ اور تلوار لی، تحت الحنک سے چہرے کا پسینہ پونچھا، ہاتھ سے داڑھی کے سفید بالوں میں کنگھی کی اور ایک محکم ارادے کے ساتھ تیزی سے اپنی سواری کی طرف بڑھے تاکہ لمحہ بھر بعد اپنے آپ کو دشمنوں میں اتار دیں جو اپنے وحشیانہ شور کے ساتھ ان کے انتظار میں تھے۔

کوئی ان کو ان کے اٹل ارادے سے نہیں روک سکتا تھا۔ تاہم اگر وہ نہ بھی جاتے، دشمن خیموں تک چلا آتا پس کیا یہ زیادہ اچھا نہیں کہ وہ خود بہادری کے ساتھ دشمن کے بیچ میں اتر جائیں اور بے خوف وخطر بہادری کے ساتھ لڑیں۔

کوئی انھیں ان کے پر عزم اور اٹل ارادے سے نہیں روک سکتا تھا کیونکہ وہ خود پہلے ہی سے اپنی شہادت کی خبر دے چکے تھے اور یہ کہہ چکے تھے کہ اسلام صرف انہی کی شہادت سے باقی اور برقرار رہے گا۔

ص ۱۴

کوئی ان سے نہیں کہہ سکتا کہ:

بابا جان نہ جائیں

چچا جان نہ جائیں

بھائی جان نہ جائیں

کیونکہ وہ سب کے امام تھے اور سب جانتے تھے کہ امام ہر کام اللہ کے حکم سے کرتا ہے لیکن سب یہ چاہتے تھے کہ وہ زیادہ سے زیادہ ان کے سامنے رہیں۔ ان سے بات چیت کریں اور ان کی گفتگو سنیں۔

میری پھوپھی جناب زینب نے جو آپ کو چھلکتے ہوئے آنسوؤں کے پردے کے پیچھے سے دیکھ رہی تھیں۔ پکار کر کہا:

آہستہ بھائی! ذرا آہستہ چلو!

ص۱۶

میرے بابا واپس آئے اور انہوں نے ایک بار پھر عورتوں اور بچوں کے روتے ہوئے پریشان چہروں کو بے بسی کے عالم میں دیکھا۔

ان کی جگہ اور کوئی ہوتا تو یقیناً جانے میں ہچکچاتا اور بچوں اور عورتوں کا دردناک رونا اس کے قدموں کو روک دیتا لیکن میرے بابا کے ایمان، ارادے اور جانے کے عزم میں کوئی سستی واقع نہ ہوئی۔ انہوں نے اپنا شفقت اور محبت بھرا ہاتھ خدا حافظی کی علامت میں ہلایا۔ ہمیں خدا کے حوالے کیا اور اپنے گھوڑے کی سمت روانہ ہوئے۔

اور یہ مختصر سا لمحہ میرے لئے بہت کم تھا اور میں جان رہی تھی کہ ابھی کچھ ہی لمحہ بعد میں بھی اپنے بابا کو اپنے ہاتھ سے کھو دوں گی اور یتیم ہو جاؤں گی۔ میں بلاارادہ اپنی جگہ سے اٹھی اور قبل اس کے کہ میرے والد مجھے دیکھتے میں ان کے گھوڑے کی سمت دوڑ پڑی۔

میرے بابا حتمی فیصلہ کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہوئے اور چاہا کہ گھوڑے کو ایڑ لگائیں۔

لیکن گھوڑے نے آگے بڑھنے سے انکار کردیا کیونکہ میں گھوڑے کی سموں سے لپٹی فریاد کررہی تھی۔

ص۱۸

گھوڑے نے اپنی نگاہیں مجھ پر گاڑدی تھیں۔ میرے والد کو بڑا تعجب ہوا لیکن جب ان کی نظریں مجھ پر پڑیں اور انہوں نے دیکھا کہ میں گھوڑے کی سموں سے لپٹی کھڑی ہوں اور اسے جانے کی اجازت نہیں دے رہی ہوں تو ان کی حیرانی میں اور بھی اضافہ ہوا۔

وہ گھوڑے سے نیچے اترے، مجھے گود میں لیا، میری آنکھوں سے آنسو پونچھے اور کہا:

میری بیٹی ! میری جان !

میں نے کہا:

بابا جان ! مسلم شہید ہوئے تو آپ نے ان کی یتیم بیٹی کو گود میں لیا اور اس کے سر پر دستِ شفقت پھیرا۔ بابا اب آپ جارہے ہیں اگر میں یتیم ہوئی تو کون میرے سر پر ہاتھ پھیرے گا؟ کون مجھے تسلی دے گا؟

ص۲۰

میرے بابا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، ان کا دل بھر آیا اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

میری سکینہ! میری بیٹی! اپنے آنسو پونچھ لو میرے بعد تمھیں بہت رونا ہے لیکن ابھی تو میں زندہ ہوں۔ ابھی تو میں تمھارے سامنے ہوں اپنے آنسوؤں سے میرا دل نہ رلاؤ۔

ہاں، اے عالم ہستی کی بہترین لڑکی میرے بعد تمھیں سب لوگوں سے زیادہ رونے کا حق حاصل ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ بات ممکن ہے مگر معلوم نہیں کیوں میری زبان سے یہ جملہ نکلا۔

۔ بابا جان! مجھے مدینہ ہمارے نانا کے حرم پہنچادیں۔

۔ میرے والد نے اپنی مظلومانہ نگاہ سے دشمن کو دیکھا اور کہا: تم دیکھ رہی ہو کہ یہ بات ممکن نہیں ہے میری لاڈلی بیٹی۔

ص۲۲

۔ دشمن کے شور اور اس کی چیخ و پکار کی آوازیں بڑھ گئی تھیں اور میرے والد کا جانا ضروری ہو گیا تھا۔

ابھی چہرے پر اپنے باپ کے پھٹے ہوئے ہونٹوں کی گرمی کا احساس باقی تھا کہ میں

نے دیکھا میرے بابا گھوڑے پر سوار دشمن کی سمت جا رہے ہیں۔ اب تلواروں کے چلنے، گھوڑوں کے ہنہنانے اور دشمن کے وحشیانہ شور کی آوازیں کانوں میں آ رہی ہیں۔

ہم خیموں کے ایک طرف کھڑے ہیں، سینوں میں ہماری سانس رکی ہوئی ہے اور ہم پر کپکپی چھائی ہوئی ہے۔

..... اے وائے شاید یہ میرے باپ کی سواری کا گھوڑا ہے جو خون میں لت پت اپنے آپ کو زمین پر پٹکتا ہوا آ رہا ہے۔

میں رو رہی ہوں اور یہ میرے رونے کی آواز ہے یا فاطمہ یا رقیہ ؟!!